Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 7, Issue 3
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

Research Article

ڈاکٹر قمر عباس علوی
لیکچرار شعبہ اردو، یونیورسٹی آف جھنگ

البیر کامیو: سیسیفس کی اسطور اور جدید انسان

Dr. Qamar Abbas Alvi
Lecturer, Department of Urdu, University of Jhang

Albert Camus: The Myth Of Sisyphus And The Modernist Man

Why do some people choose death over a life that has lost its meaning? Albert Camus opens *The Myth of Sisyphus* (1942) with this question, calling suicide the one truly serious philosophical problem. This article critically examines the book as a founding text of modernism, one that places the individual, not God, tradition, or ideology, at the center of meaning-making. It explains how the absurd arises when our longing for order and purpose meets a world that offers none. article looks at Camus's distinction between "triumphant" and "humiliated" reason, and at what he calls philosophical suicide: the quiet surrender of independent thought to religion, ideology, or the comfort of routine. Against this evasion, the article traces the portrait of the absurd man, defined by revolt, freedom, and passion, who lives without false hope and accepts contradiction as the condition of a full life. The figure of Sisyphus, pushing his stone up the hill again and again, becomes the emblem of modern humanity. His labor echoes the endless cycle of the modern working week, yet by accepting it with open eyes he turns a punishment into a meaning of his own making. this article introduces Urdu readers to Camus's defiance, responsibility, and living fully in the present.

Keywords: Albert Camus, Modernism, The Myth Of Sisyphus, Existentialism, The Absurd, Philosophical Suicide, Abstract Philosophers, Religious Philosophers, Humiliated Reason, Triumphal Reason, Revolt, Freedom, Passion.

جدیدیت یا ماڈرن ازم فرد اساس مغربی فلسفہ ہے جو عقلیت، داخلیت اور خود مختاریت ایسے اوصاف سے متصف اور ابدی اقدار کی نفی پر مصر ہے، اس کی تفہیم میں عام طور پر دو تحریروں: ٹی ایس ایلیٹ کی نظم ویسٹ لینڈ اور جیمز جوائس کے ناول یولیسس، کا ذکر کیا جاتا ہے؛ جن کی اہمیت اپنی جگہ تاہم ایک تیسری اور بنیادی تحریر کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو اس فلسفے کے بنیادی نکات کی تشکیل کرتی ہے۔ یہ تحریر فرانسیسی فلسفی اور ناول نگار البیئر کامیو (Albert Camus) کی کتاب Le Mythe de Sisyphe ہے جو 1942 میں پہلی بار شائع ہوئی (اور Justion O'Brien نے The Myth of Sisyphus کے عنوان سے اس کا انگریزی ترجمہ کیا)۔ کامیو نے اس تصنیف میں زندگی کے مسائل کے حل کے لیے مستقبل کے سنہرے خوابوں یا ماضی کی یادداشت میں پناہ لینے کے بجائے لمحہ موجود میں جینے، اسے سمجھنے اور بنا کسی الوہی طاقت کی مدد کے گزارنے میں تلاش کیا ہے، یوں اس تصنیف کو جدیدیت کی بوطیقا کہا جائے تو بے جا نہیں ہو گا۔

کامیو تحریر کا آغاز ہی اس متناقض جملے سے کرتا ہے کہ سب سے اہم، سنجیدہ اور فلسفیانہ مسئلہ خود کشی [1] ہے: اس بات کا فیصلہ کرنا کہ زندگی جینے کے قابل ہے یا نہیں؟ فلسفہ کے اہم ترین سوالات میں سے ایک ہے۔ فرد کا خود کشی کی طرف قدم بڑھانا اس امر کا اعتراف ہے کہ زندگی فہم سے ماورا اور جینے کے قابل نہیں ہے؛ اور خود کشی

زندگی یا موت میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا ہے۔ کامیو اسی مسئلے کو سمجھنے کی سعی کرتا ہے کہ آخر لوگ زندگی کے مقابلے میں موت کا ہی انتخاب کیوں کرتے ہیں؟ ایسی کئی مثالیں تاریخ عالم میں موجود ہیں جب کسی کو زندگی اور موت میں سے کسی ایک کے انتخاب کو موقع ملا تو اس نے لامحالہ زندگی کا انتخاب کیا۔ مشہور سائنس دان گلیلیو-1564) (1642 نے جب اس حقیقت کا انکشاف کیا کہ سورج زمین کے گرد نہیں بلکہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے، بہ الفاظ دیگر زمین کے بجائے سورج مرکز سائنسی سچائی کا دعوا کیا تو چرچ نے اسے مذہبی تعلیمات کی گستاخی سمجھتے ہوئے گلیلیو سے اپنے موقف سے دستبرداری اور معافی یا موت میں سے کسی ایک کے انتخاب کا موقع دیا۔ اپنی تحقیق پر اعتماد ہونے کے باوجود گلیلیو نے اپنی زندگی کی حفاظت کو سچائی پر فوقیت دی اور معافی نامہ لکھتے ہوئے اپنے موقف سے پیچھے ہٹ گیا، جو اس امر کا اعتراف تھا کہ سائنسی و معروضی سچائی کے لیے بھی جان کی قربانی دینا درست نہیں۔ اس کے مقابلے میں وہ لوگ ہیں جو انقلابی خیالات کے حامل ہیں اور کسی مذہبی یا سماجی سچائی (جو دیگر سچائیوں ہی کی طرح تشکیلی اور اضافی ہے) کے نام پر جان دے دیتے ہیں۔ وہ لوگ جنھوں نے مذہب، وطن یا کسی سیاسی نظریے کے لیے جان دی ان کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ تو آخر کیا وجہ ہے ایک طرف وہ لوگ ہیں جو سائنسی اور معروضی حقیقت (جسے کسی حد تک ثابت بھی کیا جا سکتا ہے) کی خاطر جان کی قربانی نہیں دیتے اور دوسری طرف موضوعی اور انفرادی حقیقت (حب الوطنی، مذہب ، سماجی نظریہ یا سیاسی احتجاج جو سراسر سماجی تشکیل ہیں) کی خاطر لاکھوں افراد اپنی جانیں کھو دیتے ہیں؟ کامیو کے لیے اس صورت حال کو سمجھنا اہم ہے۔

کامیو کا ماننا ہے کہ حب الوطنی، سیاسی و سماجی نظریات یا بہ طور احتجاج اپنی جان ہارنے والے زندگی کے ساتھ کسی ٹھوس یا حتمی مقصدیت کو منسلک کر لیتے ہیں۔ جیسے یہ ماننا کہ زندگی فانی ہے اور مرنے کے بعد ایک اور طرح کی زندگی کا آغاز ہو گا لہٰذا اسے کیوں نہ کسی بڑے مقصد کی خاطر قربان کیا جائے ، ایسے افراد اپنے اصولوں کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کرنے میں ہچکچاہٹ نہیں محسوس کرتے۔ کامیو ایسے افراد کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے بلکہ ان کی دل چسپی خودکشی کے فلسفیانہ محرکات اور فلسفہ زیست کو جاننے میں ہے۔ تاہم کسی ٹھوس مقصدیت کے علاوہ بھی خودکشی کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں مثلاً: کوئی فرد معاشی تنگ دستی، جنسی گھٹن، محبت میں بے وفائی، کسی دوست یا قریبی رشتہ دار کی ناراضی یا کسی نفسیاتی و ذہنی عارضے کے سبب بھی یہ انتہائی قدم اٹھا سکتا ہے تاہم سوال پھر وہی ہے آخر ایسے لوگ زندگی پر موت کو ترجیح کیوں دیتے ہیں؟ کامیو ان تمام افراد میں ایک بات مشترک دیکھتا ہے کہ یہ زندگی کے کسی ناکسی لمحے میں لایعنیت یا بے معنویت کا شکار ہو کر خود کو رفتہ رفتہ منہدم کر دیتے ہیں۔ سوچ کا آغاز ہی انہدام کی طرف پہلی جست ہے یہاں تک کہ ایک ایسا لمحہ آتا ہے جب وہ زندگی پر موت یعنی خودکشی کو ترجیح دے دیتے ہیں۔ عمومی مشاہدہ ہے کہ ایسے افراد جو کسی سماجی، جنسی یا معاشی سبب سے خودکشی کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں درحقیقت مرنا نہیں چاہتے بلکہ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح ان کا درد اور تکلیف ختم ہو جائے۔ تاہم کوئی فرد لایعنیت یا بے معنویت کا شکار کیوں کر ہوتا ہے؟ کامیو کے بقول: لایعنیت محض کسی کی جانچ پڑتال یا واقعہ یا کسی مشاہدے سے جنم نہیں لیتی ہے بلکہ ایک ٹھوس واقعہ اور کسی ایک حقیقت، ایک فعل اور وہ دنیا جو اس کے ماورا ہو جاتی ہے، ان کے درمیان تقابل سے جنم لیتی ہے[2]۔ بہ الفاظ دیگر لایعنیت تصوراتی اور مادی دنیا کے مابین تقابل اور افتراق سے جنم لیتی ہے یعنی کسی فرد کے ذہن میں موجود زندگی کا تصور جسے یوٹوپیا یا مثالی دنیا کہا جاتا ہے اور مادی زندگی جس کا وہ تجربہ کرتا ہے کے مابین تقابل اور افتراق لایعنیت کو جنم دیتے ہیں، جہاں تک یہ فرق ہماری نظروں سے پوشیدہ اور مخفی رہتا ہے ہم بے معنی اور دولخت ہونے کے تجربے سے نہیں گزرتے اور جیسے ہی یہ تجربہ ہمارے وجود کا حصہ بنتا ہے ہم تناقضات کے جنگل میں اترتے چلے جاتے ہیں اور ہمارا انہدام شروع ہو جاتا ہے جو خودکشی پر منتج ہوتا ہے۔ مثلاً ہم کسی عورت سے بے پناہ محبت کرتے ہیں، اسے جان سے عزیز رکھتے ہیں اور عمر بھر اس کے ساتھ جینے کا پیمان باندھ چکے ہوتے ہیں اور پھر ایک دن ایسا آتا ہے کہ ہم اسے کسی دوسرے کے پہلو میں دیکھ لیتے ہیں تو ہمیں اس مانوس اور محبوب چہرے میں ایک اور چہرہ نظر آتا ہے جو ہمارے تصور کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ یہ تجربہ ہمارے وجود میں سنسنی پیدا کرتے ہوئے ہمیں بھری دنیا میں تنہا کر دیتا ہے۔ بس یہیں سے ہمارا انہدام شروع ہوتا ہے چوں کہ ہم محبوب کے خیالی و افسانوی تصور اور حقیقی چہرے میں مطابقت نہیں قائم کر پاتے نتیجتاً لایعنیت کا شکار ہو کر خودکشی کی طرف بڑھ جاتے ہیں۔ سادہ لفظوں میں اپنے طے کردہ منطقی اصولوں کی شکست کی صورت میں حقیقی اور آئیڈیل دنیا میں مطابقت پیدا نہ کر سکنے کے سبب لایعنیت یا ایبسرڈٹی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

کامیو لایعنیت کو ایک اور مثال سے واضح کرتے ہیں کہ اگر کسی پاکباز انسان پر یہ الزام عائد کیا جائے کہ اس نے اپنی حقیقی بہن کی بے حرمتی کی ہے تو ایسا شخص احتجاج کرے گا اور ایسے الزام کو لایعنی قرار دے گا کیوں کہ اس کے پاس مضبوط دلائل ہیں کہ جو عمل اس سے منسوب کیا جا رہا ہے اور جن اصولوں کے تحت اس نے اپنی زندگی گزاری دونوں میں کوئی مطابقت نہیں لہٰذا اس الزام کی حیثیت منطقی مغالطے سے زیادہ نہیں۔ تاہم ایک ایسا شخص جو لاٹھی اٹھا کر مسلح ٹینک کے مقابلے کے لیے دوڑتا ہے اس کا عمل بھی اتنا ہی غیر منطقی اور لایعنی ہے جتنا کہ پاکباز شخص پر الزام تراشی۔ تاہم دونوں میں مشترک امر تجریدی اصول و ضوابط پر مشتمل دنیا اور حقیقی دنیا میں عدم مطابقت ہے اس کے باوجود دونوں لایعنیت کا ایک جیسا تجربہ نہیں کرتے۔ پہلا فرد الزام تراشی کے عمل کو لایعنی قرار دیتا ہے جب کہ دوسرا جو لاٹھی سے ٹینک کا مقابلے کرنے کا مدعی ہے سامنے کی ٹھوس

حقیقت (ٹینک) اور آئیڈیل دنیا (اس کا خیال کہ وہ لاٹھی سے ٹینک کا مقابلہ کر سکتا ہے) کے مابین ایک موہوم یا واثق امید رکھتا ہے جو کسی طاقت یا اتھارٹی سے منسوب ہے، یہی امید اس لایعنی عمل کو اس فرد کے لیے منطقی بناتے ہوئے مغالطے میں مبتلا کرتی ہے اور وہ لایعنیت کے احساس کو تجربہ نہیں کرتا۔ سادہ الفاظ میں انسان کیا چاہتا ہے؟ اور اسے دنیا کیا دیتی ہے؟ نیز ان دونوں میں تعلق کیا ہے؟ لایعنیت اسی مثلث (تجریدی دنیا، ٹھوس واقعہ اور دونوں میں عدم مطابقت) کی زایدہ اور موضوعی تجربہ ہے جس کا ذہن سے باہر کہیں وجود نہیں۔ لایعنیت کا تعلق فرد کے موضوعی تجربے اور زندگی سے ہے جسے طبعی موت ختم کر دیتی ہے یا فرد درج بالا مثلث کو خود سے ختم کرتے ہوئے لایعنیت کو قبول کر لیتا ہے تاہم سب لوگ اس تجربے سے یکساں نہیں نمٹ پاتے۔

لایعنیت کے تجربے اور اس سے نمٹنے میں کامیو افراد کے دو رویوں کی نشان دہی کرتے ہوئے ایک رویے کو نفسیاتی اور دوسرے کو مابعد الطبیعیاتی کا نام دیتے ہیں۔ پہلی نوع کے حامل رویے کے افراد اس لایعنیت کے تجربے کے اسباب اور نتائج جاننے میں دل چسپی رکھتے ہیں جب کہ دوسرے نوع کے حامل افراد کسی الوہی و مقتدر اتھارٹی، نظریے یا متوقع امید میں اس کا حل ڈھونڈتے ہیں۔ کامیو منطقی استدلال سے حقیقت کے ادراک کے راستے میں حائل تمام رکاوٹوں کو چیلنج کرتے ہوئے فکری تناقضات پر قابو پانا اور تنقیدی و تجزیاتی سوچ کر پروان چڑھانے کو فتح یاب استدلال یا Triumphal Reason جب کہ منطقی سوچ کے بجائے کسی اتھارٹی، نظرئے یا متوقع امید کے تابع ہونے ہونے کو حقیر استدلال یا Humiliated Reason کا نام دیتے ہیں۔ مجموعی طور پر پہلی نوع کے رویے یعنی نفسیاتی اور فتح یاب یا حاوی استدلال کے حامل افراد لایعنی تجربے کی فہم اور منطق و قیاس سے تلخ سوالات اٹھاتے ہوئے اس تجربے کے پس پشت محرکات اور ان اقدار کا مطالعہ کرتے ہیں جو کسی تجربے کو لایعنی بنا سکتی ہیں یوں یہ روایتی سوچ سے اختلاف کرتے ہیں اور مسائل کا فلسفیانہ حل ڈھونڈنے کی سعی کرتے ہیں کامیو انھیں تجریدی فلسفی یا Abstract Philosophers کا نام دیتے ہیں۔ جب کہ دوسرے نوع کے افراد مابعد الطبیعیاتی رویے کے حامل ہیں جو مسائل کا فلسفیانہ حل تلاش کرنے کے بجائے کسی الوہی و مقتدر اتھارٹی، آئیڈیالوجی یا امید میں پناہ لیتے ہوئے مسائل کے لیے مذہب کے بتائے ہوئے راستے کو اختیار کرتے ہیں کامیو ایسے افراد کو مذہبی فلسفی یا Religious Philosophers کا نام دیتے ہیں جنھیں عربی میں متکلم کہا جاتا ہے۔

کامیو مادی اور حقیقی زندگی کے تجربات اور مسائل کا حل پہلے سے موجود عقائد کے نظام میں تلاش کرنے، درپیش مشکلات کو کسی الوہی وجود کی طرف سے سزا قرار دینے یا سماجی و معاشرتی اقدار میں پناہ لینے کے عمل کو فلسفیانہ خودکشی یا Philosophical Suicide کا نام دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اکثر افراد لایعنیت کے تجربے سے بچنے کے لیے فلسفیانہ خودکشی کر لیتے ہیں۔ روزمرہ کی مصروفیت، انفرادی تجربے کے بجائے اجتماعی شعور اور مروج اقداری نظام میں تعقل کی قربانی، مسائل کے منطق کے بجائے مذہبی جوابات اور چبھتے ہوئے سوالات سے ذات کے دولخت ہونے کے تجربے کے خوف سے فرار فرد کو Comfort Zone دیتا ہے جو رفتہ رفتہ اس کی سوچنے، سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت کو کند کر دیتا ہے کامیو اسی صورت حال کو فلسفیانہ خودکشی کا نام دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ پھر یوں ہوتا ہے کہ سٹیج گر جاتی ہے۔ بیدار ہونا، ٹرام، دفتر یا فیکٹری میں چار گھنٹے کام کرنا، کھانا، ٹرام، کام، کھانا، نیند اور پھر پیر، منگل، بدھ، جمعرات، جمعہ اور ہفتے کا ایک ہی آہنگ سے گزرنا۔ بیش تر وقت اس راستے کی پابندی باآسانی کی جا سکتی ہے۔ ایک دن کیوں جنم لیتا ہے اور پھر ایک چیز کا آغاز اسی تعجب انگیز تھکن سے ہوتا ہے[3]۔

فلسفیانہ خودکشی یا معمول کی زندگی اور بنے بنائے راستوں کا سفر یکسانیت کی فضا کو جنم دیتا ہے جو فرد کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو زنگ آلود کر دیتا ہے، ایسے میں وہ افراد جو خطرہ مول نہیں لینا چاہتے اور بنے بنائے راستوں کے سفر پر خود کو محفوظ سمجھتے ہیں اس معمول کو توڑنے کا خطرہ مول نہیں لیتے تاہم دوسری نوع کے افراد اس یکسانیت کے سبب لایعنیت کے تجربے سے گزرتے ہیں، یکسانیت کے سبب تھکن اور بیزاری محسوس کرتے ہیں اور پھر ایک دن کیوں کو جنم دیتے ہوئے اس معمول اور یکسانیت کے خلاف بغاوت کر دیتے ہیں۔ تھکن ہمیشہ تکرار اور یکسانیت کے میکانکی عمل سے پیدا ہوتی ہے اور اکتاہٹ اور بیزاری کو ابھارتے ہوئے شعور کو بیدار کرتی ہے نتیجتاً فرد یا تو تھک ہار کر اپنے اصولوں اور زندگی کی تلخیوں سے سمجھوتا کر لیتا ہے جسے کامیو فلسفیانہ خودکشی کا نام دیتے ہیں یا پھر وجود کو دولخت کرنے والے حقائق کا سامنا کرتے ہوئے خود شعوریت اور اپنی تشکیلِ نو کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں زندگی کو تمام تر تضادات سمیت قبول کرتا ہے ایسے فرد کو کامیو لایعنی آدمی یا The Absurd Man کا نام دیتا ہے۔ تاہم اتنا واضح ہے کہ ایبسرڈ یا لایعنیت کا احساس صرف اور صرف انسانوں سے مخصوص ہے اس کے مقابلے میں دوسری مخلوقات اس کا تصور ہی نہیں کر سکتیں۔ لایعنی یا ایبسرڈ انسان کا اس احساس سے گزرنے کا سبب اس کا شعور ہے اس بات کا شعور کہ زندگی میں منطق اور کسی ٹھوس مقصد کا کوئی گزر نہیں۔

کامیو لایعنی یا ایبسرڈ آدمی کے تین خصائص: بغاوت، آزادی اور جذبہ[4]، بیان کرتے ہیں۔ بغاوت سے ان کی مراد معمول کے میکانکی عمل اور زندگی میں کسی ٹھوس مقصدیت کا انکار کرنا ہے دوسرے الفاظ میں امید اور مستقبل کا خیال چھوڑ کر لمحہ موجود میں جینا ہے: وہ لمحہ موجود جسے ایبسرڈ آدمی خود اپنے ارادے اور عمل سے تعین کرتا ہے؛

زندگی کے جملہ تضادات کو قبول کرنا؛ اور ان سے مطابقت پیدا کرنا، ہر شے سے زیادہ اپنی ذات کو اہمیت دینا اور کسی الوہی و مقتدر ذات کو مداخلت کا حق نہ دینا اور لمحہ موجود میں جینا ہے۔ کامیو ایبسرڈ آدمی کی بغاوت کو خودکشی کے مقابل رکھ کر دیکھتے ہیں کہ لایعنی یا ایبسرڈ آدمی کسی نوع کا سمجھوتہ نہیں کرتا، اپنی قوت کا امتحان لیتا ہے اور خود کو تھکاتا ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اس کی زندگی معمول کی حکم عدولی سے عبارت ہے۔ ایبسرڈ آدمی کی دوسری خصلت آزادی ہے کامیو کے نزدیک ایبسرڈ آدمی کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ وہ معروضی طور پر آزاد ہے یا نہیں بلکہ اس کی ساری توجہ اس نقطے پر مرکوز رہتی ہے کہ وہ کسی ٹھوس آزادی کا تصور باندھے بنا اپنی آزادی کا تجربہ کس حد تک کر سکتا ہے؟ کامیو آزادی کے مروج اور عام تصور کو پلٹ کر دیکھتے ہیں ان کے نزدیک آزادی کا مطلب ذمہ داری کو قبول کرنا ہے۔ لایعنیت کا تجربہ ہونے سے قبل ایبسرڈ آدمی ایک بامقصد زندگی بسر کرتا ہے جس میں مقصد کا تعین اس کی ذات کے بجائے کوئی دوسرا کرتا ہے جیسے ایک صوفی اپنی منشاء کو اپنے محبوب پر قربان کرنے کو آزادی خیال کرتا ہے؛ یا ایک غلام آقا کا ہر حکم بجا لانے اور نتائج سے بری ہونے کو آزادی خیال کرتا ہے؛ ایبسرڈ آدمی کے لیے یہ آزادی نہیں غلامی ہے۔ ایبسرڈ آدمی آزادی سے مراد صرف ارادے اور عمل کی آزادی لیتا ہے جس میں امید اور مستقبل کا کوئی گزر نہیں، وہ بغیر کسی امید یا دلاسے کے ہر تلخی کو برداشت کرتا ہے۔ تیسرا اور آخری وصف جذبہ یا Passion ہے جس سے کامیو کی مراد یہ ہے کہ ایبسرڈ آدمی اس امر کا شعور رکھتا ہے کہ ایک آدمی کے اصول و ضوابط جن کے مطابق وہ زندگی بسر کرتا ہے کا انحصار اس کے تجربہ پر ہے وہ ان اقدار یا اصول و ضوابط میں معنی ذاتی و انفرادی تجربے سے پیدا کرتا ہے کیوں کہ وہ زندگی میں کسی مقصدیت کا قائل نہیں لہٰذا کسی آفاقی و دائمی ضابطہ اخلاق کا گزر نہیں۔ ایبسرڈ آدمی زندگی کو لایعنی اور مجموعہ اضداد مانتے ہوئے بہتر زندگی گزارنے کے بجائے بھرپور زندگی گزارتا ہے، یوں ان تین خصائص: بغاوت، آزادی اور جذبہ، کا حامل ایبسرڈ آدمی خودکشی سے انکار کر دیتا ہے۔

کامیو ایبسرڈ آدمی کے اس تجربے کو یونانی اسطوری کردار سیسیفس سے مشابہہ قرار دیتے ہیں: سیسیفس مشہور یونانی شاعر ہومر (Homer :8th Century BC) کی نظم ایلیڈ سے ماخوذ ہے جس کے بارے میں متضاد آراء مشہور ہیں کہیں اسے قزاق تو کہیں آگ چرانے[5] اور دیوتاؤں کی دنیا میں خلل ڈالنے والا بتایا گیا ہے۔ تاہم سیسیفس کے بارے میں یہ حکایت کافی مشہور ہے کہ سیسیفس ریاست کا بادشاہ تھا جس کے پاس ایسوپ نامی شخص نالش لے کر حاضر ہوتا ہے کہ اس کی بیٹی آجین کو جوپیٹر نے اغوا کیا ہے بیٹی کی بازیابی میں آپ میری مدد کریں، سیسیفس ایسوپ کی اس شرط پر مدد کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے کہ اس خدمت کے صلے میں آپ کورنتھ کے قلعے کی آبیاری کریں گے۔ گویا سیسیفس نے آسمانی دیوتاؤں سے امید لگانے کے بجائے زمینی ذرائع کو ترجیح دی جس پر دیوتاؤں نے اسے یہ سزا دی تھی کہ وہ ایک بھاری پتھر کو پہاڑ کی چوٹی پر دھکیلتا ہوا بغیر رکے لے جائے گا اور عین چوٹی پر پہنچ کر پتھر کو چھوڑ دے گا جہاں سے پتھر اپنے بوجھ سے واپس نیچے آجائے گا اور یہ عمل وہ اپنے آخری پل تک دہراتا رہے۔ کامیو کے بقول بے ثمر اور بے امید محنت خوفناک سزا ہے[6] جو دیوتاؤں نے سیسیفس کو دی۔ ہومر کا اسطوری کردار سیسیفس تب اور زیادہ اہم ہو جاتا ہے جب کامیو اس کا موازنہ ایبسرڈ انسان (جسے جدید کہنا زیادہ موزوں ہو گا) سے کرتا ہے اور دونوں کا مقدر ایک سا نظر آتا ہے۔ اساطیر کی دنیا سچ یا جھوٹ کی دنیا نہیں بلکہ یہ خلق ہی اسی لیے کی جاتی ہیں کہ انسان اپنے تخیل سے ان میں جان ڈالتے ہوئے بہتر زندگی کا شعور حاصل کرے لہٰذا جب ہم ایبسرڈ یا جدید انسان کا موازنہ اسطوری کردار سیسیفس سے کرتے ہیں تو دونوں کردار خداوں کے لیے نفرت، اپنی ذات پر اعتماد، موت سے حقارت اور زندگی کی خواہش کے سبب گہری مشابہت کے حامل نظر آتے ہیں تاہم دونوں میں ایک اور بات بھی مشترک ہے کہ ان کے لیے سزا اور موت لایعنی یا ایبسرڈ ہیں، دونوں اپنے اپنے عذاب کے لیے کسی الوہی و غیبی طاقت اور امید کے منکر ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ یہ سزا ان پر صرف اس لیے مسلط کی گئی ہے کہ وہ مرنا نہیں چاہتے سو آخری پل تک انھیں اسی سزا کے ساتھ جینا ہے۔ سیسیفس کے اسطوری کردار کی ایبسرڈ انسان کے ساتھ مشابہت اسے اور اہم بنا دیتی ہے کامیو اسے ایبسرڈ یا جدید انسان کی اساس جس فرد اساس فلسفے پر استوار ہے اس میں فرد کی ذات سے معتبر دنیا میں کچھ نہیں، اسے ہر لمحہ اپنی دنیا خود اپنے شعور اور فیصلے سے خلق کرنا پڑتی ہے اور اس کے نتائج کی ذمہ داری کسی دوسرے پر الزام عائد کیے بنا قبول کرنا پڑتی ہے۔ اپنے مسائل کا حل نادیدہ مستقبل سے امید لگائے بنا لمحہ موجود میں خود خلق کرنا پڑتا ہے جس کے سبب زندگی اس کے لیے ایک سزا کی طرح لایعنی یا ایبسرڈ ہے تاہم وہ اس ایبسرڈٹی کو قبول کر لیتا ہے جیسے ہومر کا اسطوری کردار سیسیفس اپنی سزا کو قبول کر لیتا ہے۔ یوں سیسیفس جدید یا ایبسرڈ انسان کا پروٹوٹائپ[7] ہے۔

ہومر کا کردار جیسے پتھر بن کو اعصاب شل کر دینے والی محنت اور تھکن سے پتھر دھکیلتے ہوئے پہاڑ کی چوٹی پر لے جاتا ہے اور عین چوٹی سے پتھر کو زمین کی طرف لڑھکنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے یعنی ہی کامیو کا ایبسرڈ یا جدید انسان اپنی معمول کی زندگی میں مصرف ہے پیر سے جمعے یا ہفتے تک خون پسینہ ایک کرتے ہوئے محنت کرتے ہوئے پتھر کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جاتا ہے اور ویک اینڈ پر اس پتھر کو واپس ڈھلوان کی طرف آنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے، یعنی ہی اگلا ہفتہ، اگلا مہینہ، اگلا سال آجاتا ہے اور یہ سفر اس کی آخری سانس تک جاری رہتا ہے۔ سیسیفس اور ایبسرڈ انسان دونوں کے لیے بدن کو شل کر دینے والی یہ بیگار محنت اذیت سے کم نہیں تاہم وہ اس سے بیزار ہو کر مرنا نہیں چاہتے بلکہ اس

بے تکان محنت کو زندگی کی قیمت کے طور پر قبول کرتے ہیں دوسرے لفظوں میں ان کے لیے یہ محنت واذیت لایعنی نہیں۔ ہم سطور بالا میں لکھ آئے ہیں کہ لایعنیت اس وقت اپنا وجود کھو دیتی ہے جب ایبسرڈ انسان اسے قبول کر لیتا ہے، سیسیفس بھی اس پل پل کی موت کو قبول کر لیتا ہے۔ کامیو کا ماننا ہے کہ بیگار محنت سیسیفس کے لیے لایعنی اس لیے نہیں کہ اسے نجات کی کوئی امید ہے نہیں، نیز وہ اکتا دینے والی تھکن سے پتھر کو جب پہاڑ کی چوٹی پر لے جاتا ہے اور اسے ڈھلان کی طرف لڑھکنے کے چھوڑتا ہے تو لڑھکتا ہوا پتھر سیسیفس کے لیے کائنات بن جاتا ہے جسے وہ اپنے ہاتھ سے تعمیر کرتا ہے اور پھر نشیب کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر اس کا دل مسرت سے معمور ہو جاتا ہے۔ دیوتاؤں نے جو عمل سیسیفس کے سزا کے لیے منتخب کیا تھا وہ سیسیفس کے اختیار اور مسرت کا باعث بن جاتا ہے۔ کامیو اس خیال کو ایک انٹرویو میں یوں دہراتا ہے: ہر عظیم خطرہ ایک عظیم امید میں ضم ہو جاتا ہے[8]۔ دراصل سیسیفس کی اسطور زندگی کی بے معنویت کے خلاف فرد کی مسلسل جدوجہد کی داستان ہے جس میں دیوتاؤں کا کوئی عمل دخل نہیں۔ زندگی کی کٹھنائیوں کی ذمہ داری کسی دوسرے فرد یا طاقت پر ڈال دینا، مستقبل کے سنہرے خواب دیکھنا یا مشکلات کا ڈٹ کر مقابلے کرنے کے بجائے خودکشی میں پناہ ڈھونڈنا ایبسرڈ یا جدید انسان کے حسبِ حال نہیں۔ ایبسرڈ یا جدید انسان بغاوت، آزادی اور جذبہ کے ذریعے زندگی کی کٹھنائیوں کا تن تنہا مقابلہ کرتا ہے، بقول ایبے گیلانی (Abbe Galiani) علاج کے بجائے عارضے کے ساتھ جینا سیکھ لیتا ہے[9]، اسی میں اس کی بقا اور جداگانہ شناخت کا راز مضمر ہے۔

حوالہ جات

1. کامیو، البیر، سیسیفس کی کہانی، مترجم: انیس ناگی (لاہور: ص ن پبلیکیشنز، 1980ء)، ص:16
2. کامیو، البیر، سیسیفس کی کہانی، ص:43
3. ایضاً، ص:25
4. ایضاً، ص:79
5. اساطیر کا انسائیکلوپیڈیا (مرتب و مترجم: یاسر جواد)، لاہور: لوٹس پروجیکٹ، 2025، ص:265
6. کامیو، البیر، سیسیفس کی کہانی ، ص:138
7. نیر، ناصر عباس، ڈاکٹر، نظم کیسے پڑھیں (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2018)، ص:78
8. کامیو، البیر، محاسبہ: مکمل جھوٹ اور ایک چوتھائی سچائی میں انتخاب، (انٹرویور: ژاں بوخ مینثل) (مترجم: فاخر حسین)، مشمولہ البیئر کامیو: فکر و ادب کے آئینے میں، مرتبہ: عثمان خالد، (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، 2016)، ص:20
9. کامیو، البیر، سیسیفس کی کہانی ، ص:51